تعارف وتبصرہ:

# تذکرۂ قاضی محمد سلیمان منصور پوری

محمد ارشد *

محمد اسحاق بھٹی، تذکرۂ قاضی محمد سلیمان منصور پوری: عہد، خاندان، اساتذہ، ہم عصر علماء (لاہور: المکتبۃ السّلفیہ، ۱۴۲۸ھ/۲۰۰۷ء)، ۴۹۶ صفحات، قیمت درج نہیں۔

قاضی محمد سلیمان منصور پوری (۱۲۸۴ھ۔ یکم محرم ۱۳۴۹ھ/۱۸۶۷ء۔ ۳۰ مئی ۱۹۳۰ء) برعظیم پاکستان و ہند کے جلیل القدر سیرت نگار اور ادیان و مذاہبِ عالم کے ممتاز علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ علم تفسیر میں قاضی صاحب کی الجمال والکمال (تفسیرِ سورۂ یوسف) تفسیری ادب میں ایک نادر نمونے کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان کی تالیف شرح اسماء الحسنٰی بھی خاصے کی چیز ہے۔ فن سیرت نگاری میں ان کے کمالات کا ایک زمانہ معترف ہے۔ سیرت نبوی پر ان کے مختصر کتابچوں مہر نبوت (۱۸۹۱ء) اور سید البشر اور بالخصوص ان کی شاہکار کتاب رحمۃ للعالمین کو ادبِ سیرت (قدیم وجدید) میں ایک منفرد اور ممتاز مقام حاصل ہے۔ سیرت نبوی کا یہ عدیم النظیر مرقع دعوت دین کے اعتبار سے بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ جب تک اردو ادب زندہ و باقی رہے گا، یہ کتاب اہل ایمان کے دلوں کو حبِ رسول سے گرماتی رہے گی اور غیر مسلم قارئین کو اسلام کی طرف کشاں کشاں لے آنے کا موجب بنتی رہے گی۔ اس علمی جواہر پارے نے فاضل مصنف کو علمی و دینی حلقوں میں ایک خاص محبوبیت عطا کی ہے۔ رحمۃ للعالمین اس کی تجلیل وتحسین اکابر علماء و اہل نظر نے کی ہے۔ مطالعۂ ادیان و مذاہب کی روایت میں بھی قاضی محمد سلیمان منصور پوری ایک خاص روایت کے بانی بن کر منظر عام پر آئے ہیں۔ انھوں نے اپنے عہد میں جاری مجادلہ ومناظرہ کی عام روش، جس میں مخالفین کے مذاہب کی تنقیص اور ان کی تعلیمات و مراسم پر بے رحم تنقید کو مرکزی حیثیت حاصل تھی، کے بجائے ایجابی طور پر، دیگر مذاہب کے بانیوں کے مذہبی ادب، ان کے صحائف وکتب کی روشنی میں، ہادیانِ عالم کے مقابلے میں اسلام اور پیغمبر اسلام کی فضیلت و برتری بیان کی ہے۔ ان کی تبلیغی مساعی اور نگارشات کی بدولت بہت سوں کو ہدایت اور دولتِ اسلام نصیب ہوئی۔

قاضی محمد سلیمان کی شخصیت کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ انہیں شخصی و دینی وجاہت کے ساتھ ساتھ دنیوی

* چیف ایڈیٹر/ پروفیسر، شعبۂ اردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، علامہ اقبال کیمپس، لاہور۔ پاکستان۔

وجاہت بھی حاصل تھی۔ وہ پٹیالہ جیسی غیر مسلم ریاست میں سیشن جج کے عہدۂ جلیلہ پر طویل عرصے تک فائز رہے اور اس ریاست کی عدل گستری کی تاریخ میں انمٹ نقوش مرتب کیے۔ وہ اپنے تفقہ، قانونی بصیرت، معاملہ فہمی اور عدل گستری کی بنا پر غیر مسلموں میں بھی لائق عزت و احترام ٹھہرے۔مزید براں اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں کی بنا پر حکمرانِ ریاست کا انھیں خصوصی اعتماد اور قرب حاصل رہا۔

قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے اسلامیانِ ہند کی دینی و ملی زندگی میں بھی بھر پور حصہ لیا۔تحریکِ ندوۃ العلماء سے لے کر انجمنِ اہل حدیث پنجاب تک کی سرگرمیوں میں شریک و سہیم رہے۔وہ ایک زمانے تک ان کے جلسوں کی صدارت فرماتے اور اپنے افکارِ عالیہ سے نوازتے رہے۔غرض قاضی محمد سلیمان منصور پوری کو اپنی شخصی وجاہت، علمی فضیلت اور دیگر گوناں گوں اوصاف کی بنا پر اپنی زندگی میں ہی بڑی شہرت ،عزت وتکریم اور مقبولیت و محبوبیت حاصل ہوئی۔گو قاضی صاحب کا تعلق اہلِ حدیث مکتبِ فکر سے تھا، تاہم انھیں دیگر مسالک کے اہلِ نظر کے ہاں بھی عزت وتکریم کی نظر سے دیکھا گیا۔ قاضی محمد سلیمان کی ہر دلعزیز شخصیت ، اور ان کے علمی کارناموں اور دینی وملی،تبلیغی و دعوتی سرگرمیوں کا چرچا ان کے عہد کے اخبارات وجرائد میں خوب رہا۔

قاضی صاحب کی رحلت کے فوراً بعد ان کی یاد میں چند تعزیتی تحریریں شائع ہوئیں، جن میں مولانا غلام رسول مہر کی اس تحریر کو اہم قرار دیا جا سکتا ہے جو انھوں نے اپنے سفرِ حج (۱۹۳۰ء) کے سلسلے میں قارئینِ انقلاب کے لیے لکھی تھی (قاضی صاحب بھی اسی سال حج سے واپسی پر دورانِ سفر/اثنائے سفر واصل بحق ہوئے تھے۔ انقلاب کے فائل سے ابوسلمان شاہجہان پوری نے مولانا مہر کے سفرِ حج کی یادداشتوں کو سفر نامۂ حجاز کے نام سے مرتب کر دیا جو دو بار طبع ہو چکا ہے (کراچی ۱۹۸۴ء؛ گوجرانوالہ ۲۰۱۳ء)۔

بایں ہمہ یہ حقیقت ایک المیے سے کم نہیں کہ ان کی سوانح حیات اور دعوتی و تبلیغی اور علمی کارنامے برِعظیم پاکستان و ہند کے مصنفین و محققین کی توجہ حاصل نہ کر سکے۔ اور تو اور ایک طویل عرصے تک ان کے ہم مسلک اہل حدیث محققین و مصنفین نے بھی اس موضوع سے اعتنا نہیں کیا۔ایک طویل عرصے تک مولانا عبدالمجید خادم سوہدروی (م ۶ نومبر ۱۹۵۹ء) اپنے اخبار مسلمان (سوہدرہ) میں ان کی سیرت شائع کرنے کا اعلان کرتے رہے،مگر ''اے بسا آرزو کہ خاک شدہ''۔قاضی صاحب کی سیرت کے مرتب نہ ہوسکنے کا ایک بڑا سبب ان کے سوانح حیات کی تفصیلات کی عدم دستیابی بھی تھی۔ تقسیم ہند کے وقت فسادات میں ان کا ذاتی کتب خانہ (اور مسودات، اور ان کی سوانح وغیرہ سے متعلق دستاویزات کا ذخیرہ جس سے ان کی سوانح حیات کی تدوین تصنیف کے لیے اہم لوازمہ فراہم ہوسکتا تھا) برباد ہوگیا۔

قاضی صاحب کی وفات کے ایک طویل عرصے بعد (کم وبیش ۷۵ سالوں کے دوران میں) ان کی سوانح کے بارے میں ان کے پوتے قاضی عبدالباقی نسیم کی ایک مختصر تحریر ''سیرتِ سلمان'' قاضی صاحب کے سفرنامۂ حجاز (اشاعت دوم، ۱۹۸۶ء) کے ساتھ اس کے ضمیمے کے طور پر شائع ہوئی، اور اردو سیرت نگاری کے جائزہ نگاروں اور تقابل ادیان سے دلچسپی رکھنے والوں نے ان کی تحریروں کا ایک حد تک تجزیہ کیا ہے۔ رحمۃ للعالمین پر خصوصی مطالعات بھی سامنے آئے ہیں، اور اس اہم کتاب کی تدوین جدید اور تخریج وغیرہ بھی کی گئی ہے۔ جناب سفیر اختر نے مطالعہ ادیان و مذاہب کے میدان میں قاضی صاحب کی کاوشوں سے متعلق ایک وقیع مطالعہ پیش کیا ہے (دیکھیے: اختر راہی، ''قاضی محمد سلیمان منصور پوری اور مطالعۂ عیسائیت''، عالم اسلام اور عیسائیت، (دسمبر ۱۹۹۲ء، ص ۵ تا ۱۵ و اپریل ۱۹۹۳ء، ص ۵ تا ۱۶)۔ بایں ہمہ قاضی صاحب کی سوانح اور علمی کارناموں کی کوئی جامع اور مربوط تصویر سامنے نہیں آئی۔

مذکورہ پس منظر میں قاضی محمد سلیمان منصور پوری کی سیرت وسوانح کی ترتیب وتالیف بے اعتنائی کا احساس اہل حدیث قلم کاروں کے ہاں بھی رہا۔ بالآخر تلافیِ مافات کے لیے قرعہ فال ممتاز اہل حدیث تراجم وسوانح نگار جناب محمد اسحاق بھٹی ((۱۵ مارچ ۱۹۲۵ء۔۲۲ دسمبر ۲۰۱۵ء) کے نام نکلا۔ انھوں نے زیر تبصرہ کتاب تالیف کر کے قاضی محمد سلیمان منصور پوری کی سیرت وسوانح کے باب میں اہل قلم کے ذمے چلے آنے والے قرض کی تلافی کی سعی کی ہے۔ فاضل مصنف نے زیر نظر کتاب لکھ کر قاضی محمد سلیمان منصور پوری کے کارنامۂ حیات کو نئی نسل کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس ضمن میں ان کا کہنا یہ ہے کہ ''اس کتاب کی ترتیب میں میں نے بے حد محنت کی ہے اور میں یہی کرسکتا تھا'' (''حرفے چند''، ص ۳۱)۔

---

زیر نظر کتاب پیش لفظ (حافظ احمد شاکر، ناشر کتاب)، حرف اول (عبدالجبار شاکر)، حرفے چند (مصنف) کے علاوہ حسبِ ذیل تینتیس ابواب پر مشتمل ہے:

(۱) خاندانی پس منظر؛ (۲) قاضی صاحب کے آبائی وطن بڈھیمال کے چند اصحاب تدریس؛ (۳) ریاست پٹیالہ کے چند علمائے کرام؛ (۴) کچھ معلومات ریاستِ پٹیالہ کے بارے میں؛ (۵) قاضی محمد سلیمان: ولادت اور مقام و مرتبہ؛ (۶) مولانا عبدالعزیز کوموی اور ان کا خاندان؛ (۷) محکمۂ تعلیم میں ملازمت؛ (۸) محکمۂ عدلیہ میں؛ (۹) والیِ ریاست کے نزدیک احترام و اعتماد کی چند مثالیں؛ (۱۰) عظیم شخصیت اور موثر ترین باتیں؛ (۱۱) درسِ قرآن کا التزام؛ (۱۲) حلم و اخلاق کا پیکرِ حسین؛ (۱۳) چند اہم واقعات؛ (۱۴) چار خواب اور ان کی تعبیر؛ (۱۵) قاضی

صاحب کے چند جلیل القدر معاصرین؛ (۱۶) قاضی صاحب اور غازی محمود دھرم پال؛(۱۷) قاضی صاحب مفسرِ قرآن کی حیثیت سے؛ (۱۸) قاضی صاحب ماہر حدیث کی حیثیت سے؛ (۱۹) قاضی صاحب ماہرِ تاریخ کی حیثیت سے؛(۲۰) قاضی صاحب بحیثیتِ شاعر؛ (۲۱)مطالعہ ٔ ادیان؛(۲۲) قاضی صاحب کی تصانیف؛ (۲۳) رحمۃ للعالمین: جلداول؛ (۲۴) رحمۃ للعالمین: جلد دوم؛ (۲۵) رحمۃ للعالمین: جلد سوم؛(۲۶) قبولیتِ دعا اور تاثیر کلام کے چند واقعات؛(۲۷) مصنف رحمۃ للعالمین آغوشِ رحمت میں؛(۲۸) ملک گیر اظہارِ تعزیت؛ (۲۹) قاضی صاحب کا ایک خطبۂ صدارت؛ (۳۰) دعا کے اسرار و آداب؛(۳۱) قاضی عبدالعزیز منصور پوری؛ (۳۲) قاضی عبدالرحمن منصور پوری؛ (۳۳) خانوادۂ قاضی محمد سلیمان سلمان منصوری؛ اشاریہ۔

مذکورہ ابواب میں سے تین (۴، ۲۱، ۳۳) قاضی حسن معز الدین مرحوم نبیرۂ قاضی محمد سلیمان منصور پوری کے قلم سے ہیں۔ باب ۶ مرتب سوانح کے نام ندیم کوموی کے ایک مکتوب پر مشتمل ہے۔ باب ۱۳ قاضی صاحب کے حالات مبارکہ پر حکیم محمد عبداللہ (جہانیاں) کی ایک مطبوعہ تحریر، جو قاضی صاحب کی تالیف شرح اسماء اللہ الحسنٰی (مکتبہ ٔنذیریہ، ۱۹۷۳ء) کے آخر میں مندرج ہے؛ پر مشتمل ہے۔ باب ۲۵ رحمۃ للعالمین (جلد۳) پر سید سلیمان ندوی کا مقدمہ ہے۔باب ۲۷ مولانا غلام رسول مہر کے مذکورہ سفرنامۂ حجاز سے لی گئی تحریر ہے۔ باب ۲۹ قاضی صاحب کے ایک صدارتی خطبے اور باب ۳۰ دعا کے آداب و اسرار پر ان کی ایک تحریر پر مشتمل ہے۔

---

حافظ احمد شاکر نے کتاب کے پیش لفظ میں بجا طور پر قاضی محمد سلیمان کی سوانح اور احوال و وقائع کے بارے میں اہل قلم کے عدمِ التفات پر اظہار تأسف کیا ہے، اور مولانا محمد اسحاق بھٹی کی اس کاوش کی تحسین کی ہے۔ جناب محمد اسحاق بھٹی کو، تذکار و تراجم نگاری میں ان کے شغف و انہماک کے سبب، ''دور حاضر کا امام ذہبی'' قرار دیا ہے (پیش لفظ، ص۹)۔ مصنف کو اہل حدیث اکابرین سے والہانہ شیفتگی، نیز تذکار و تراجم نگاری کے باب میں ان کے اسلوبِ بیان اور واقعات نگاری پر داد دی ہے،ل نیز ان کی شخصیت و اخلاق کا چند جملوں میں ذکر کیا ہے۔

مرحوم عبدالجبار شاکر کی تحریر ''حرفِ اول'' خطیبانہ اندازِ نگارش کا عمدہ نمونہ ہے۔ انھوں نے مبالغے کو حسنِ ادا خیال کرتے ہوئے سوانح نگاری کے باب میں مولانا محمد اسحاق بھٹی کو حیات جاوید کے مصنف خواجہ الطاف حسین حالی اور حیات شبلی کے مصنف علامہ سید سلیمان ندوی کی صف میں شامل؛ کیا ہے۔ان کی علمی بصارت اور حکیمانہ بصیرت کی تحسین کی ہے اور ''احقاقِ حق اور ابطالِ باطل'' کے میدان میں ان کی قلمی کارگزاریوں کی خوب ستائش کی ہے۔ان کے اسلوب بیان کو ''اردو زبان و ادب کے اسالیب میں ایک انفرادیت کا حامل'' قرار دیا

ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ حیاتِ جاوید میں صاحبِ سوانح کی زندگی کی جزئیات اور علمی کارناموں کو جس تفصیل اور جامعیت کے ساتھ پیش کیا ہے، ان کا عشرِ عشیر بھی مرحوم بھٹی صاحب کی زیرِنظر تالیف میں دستیاب نہیں ہے۔ بہر حال مرحوم عبدالجبار شاکر نے اپنی خطابت کا جادو یوں جگایا ہے:

''نصف صدی تک جو علمی جواہر پارے پیدا کیے ہیں، ان میں ابوالکلام کی نثری بلاغت، شبلی کی مؤرخانہ بصیرت، سید سلیمان ندوی کا اسلوبِ تحقیق، مولانا مودودی کا دعوتی انداز، رشید احمد صدیقی کی شگفتہ نگاری، مولوی عبدالحق کی سی سادہ بیانی، مولانا ثناء اللہ امرتسری کی جامعیت، مولانا محمد حنیف ندوی کا حکیمانہ اسلوب، مولانا عطاء اللہ بھوجیانی کی سادگی اور کتاب دوستی اور علامہ احسان الٰہی ظہیر کی طلاقتِ لسانی کی جھلکیاں ان کی تحریروں کے مختلف صفحات پر نمایاں دکھائی دے دیتی ہیں'' (حرف اول، ص ۱۷)۔

عبدالجبار شاکر کی رائے میں محمد اسحاق بھٹی کی سوانحی تصانیف میں ''قاضی محمد سلیمان منصور پوری کا تذکار جمیل گل سرسبد کی حیثیت رکھتا ہے۔۔۔محترم بھٹی صاحب نے برصغیر کی اس ممتاز شخصیت اور اس کی بے مثال علمی شخصیت کے تذکرے کو جس محنت اور سلیقے سے جمع [کذا، مرتب] کیا ہے، یہ اہل فکر و نظر پر ایک احسان کا درجہ رکھتا ہے۔۔۔یہ جامع سوانح ہمارے عہد کے اہل علم کے لیے ایک تحقیقی سوغات کا درجہ رکھتی ہے۔ ہمارے مصنفین اور محققین کے لیے بھی اس میں تربیت کا ایک خاص سامان اور سلیقہ ہے کہ اپنی ممدوح شخصیات پر قلم اٹھانے کے لیے کس قسم کی ریاضت کی ضرورت تھے۔۔۔یہ تذکرہ ایک ملی فرض تھا لیکن جس محبت و عقیدت سے مصنف نے اس فرض کی تکمیل کی ہے، وہ قابلِ داد اور لائقِ اعتنا ہے'' (ص ۱۸-۱۹)۔

---

مرحوم محمد اسحاق بھٹی نے دستیاب لوازمے سے پوری کوشش کی ہے کہ؛ اس تالیف میں قاضی محمد سلیمان منصور پوری کی شخصیت و سیرت کو بھرپور طور پر اجاگر کیا جائے؛۔ فاضل مصنف نے قاضی صاحب کے خاندانی پس منظر پر روشنی ڈالی ہے، ان کے آبائی وطن بڈھیمال (ضلع فیروز پور کی تحصیل مکتسر کا ایک گاؤں) نیز ریاست پٹیالہ کے معروف علما اور اصحاب تدریس، خصوصاً ان کے استاذِ مکرم مولانا عبدالعزیز کوموی کا مختصر تعارف پیش کیا ہے۔ قاضی صاحب کی تعلیم و تربیت اور ریاست پٹیالہ کے محکمۂ تعلیم میں ملازمت اور اور بعد ازاں عدالتی عہدوں پر تقرر، ان کی اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں، ان کے اندازِ عدل گستری اور خصوصاً امور حکومت میں ان پر حکمرانوں کے گہرے اعتماد کا تذکرہ پیش کیا ہے۔

اس کتاب میں قاضی صاحب کی خاندانی وشخصی اور علمی وجاہت، محاسن اور اخلاق حمیدہ کے کئی گوشے: تواضع وانکسار، اعتدال وتوازن، امانت ودیانت ،حکمت وبصیرت ، دینی حمیت، دعوتی وتبلیغی انہماک اور ذوق وشوق، درسِ قران سے خصوصی شغف، معاملہ فہمی اور قانونی بصیرت سامنے آتے ہیں۔ قاضی صاحب کے عارف باللہ اور مستجاب الدعوات ہونے ،خصوصاًان کی کرامات اور قبولیتِ دعا کے واقعات کا بیان خاصا دلچسپ ہے۔ زیرنظر کتاب کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں قاضی صاحب کے علمی کمالات خصوصاً ان کے تفکرِ قرآنی اور تفقہ اور محدثانہ و مؤرخانہ بصیرت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ کتاب میں قاضی صاحب کی کتب وتالیفات پر جامع تبصرہ بھی آ گیا ہے (البتہ ان کتب کی مختلف اشاعتوں کے بارے میں معلومات کی فراہمی سے اعتنا نہیں کیا گیا ہے)۔مصنف نے قاضی صاحب کی حکیمانہ موعظت وتبلیغ کے اثرات ونتائج کو بھی خوب اجاگر کیا ہے۔ ان کی تبلیغ ودعوت کی بدولت کئی مرتدین کو پھر سے نعمت اسلام میسر آئی جبکہ بعض کو مشرف بہ اسلام ہونے کی توفیق ہوئی۔اس سلسلے میں معروف مسلم مناظر اور مصنف غازی محمود دھرم پال (م ۱۸ مارچ ۱۹۶۰ء) اور قاضی محمد سلیمان کے باہمی روابط کا تذکرہ ،خصوصا اول الذکر کا دین اسلام سے انحراف اور آریہ مذہب قبول کرنے اور بعد ازاں قاضی صاحب کی مؤثر تبلیغ وموعظت کے نتیجے میں دین اسلام کی طرف مراجعت کا بیان بڑی دلچسپی کا حامل ہے (سترھواں باب،ص ۲۰۱۔۲۲۴)۔ کتاب کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ جنات بھی قاضی صاحب کا احترام کرتے تھے(ص ۱۲۸۔۱۲۹)۔

قاضی صاحب کو تصوف وسلوک سے بھی گہرا لگاؤ تھا، غالبًا پنجاب کے کسی نقشبندی بزرگ سے تعلق ارادت رکھتے تھے۔ کتاب کے مطالعہ کے دوران میں بعض عارفانہ نکات بھی سامنے آتے ہیں، مثلاً دعا کے بارے میں مصنف کا یہ بیان ہے: ''یہاں یہ یاد رہے کہ کسی وظیفے یا دعا کا تعلق جہاں الفاظ وحروف سے ہے، وہاں قلب وروح سے بھی ہے۔ جو بات قلب وروح کی گہرائی سے اچھل کر ایک خاص جذبے کے ساتھ سطحِ زبان پر آئے گی اللہ کی بارگاہ میں لازماً شرف قبول حاصل کرے گی، اگرچہ وہ کسی زبان میں ہو اور کتنے ہی ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں ہو۔مگر شرط یہ ہے کہ اس میں اللہ کی وحدانیت کارفرما ہو،شرکیہ الفاظ سے پاک ہو۔'' (ص ۶۷)۔

مصنف نے قاضی محمد سلیمان منصور پوری کے اخلاص وللّٰہیت اور ان کے حکیمانہ اسلوبِ دعوت وتبلیغ پر گفتگو کرتے ہوے آج کے واعظین کے طرز عمل پر بڑے خوبصورت پیرائے میں چوٹ کی ہے: ''آج کے مبلغینِ اسلام کا طرز عمل ہمارے سامنے ہے۔ وہ جہاں جاتے ہیں ٹھونک بجا کر پیسے لیتے ہیں۔ اپنے خادموں اور ساتھیوں کا کرایہ مع ''سود'' کے وصول کرتے ہیں۔کہیں سے پیسے کم ملنے کا شبہہ ہو تو وہاں جانے سے صاف انکار کر دیتے ہیں۔ ان کی تبلیغِ اسلام وہیں جلوہ دکھاتی ہے، جہاں نوٹ اچھلتے ہوں اور چاندی چمکتی ہو۔۔۔لیکن قاضی صاحب کا معاملہ اس سے بالکل

برعکس تھا۔ ان کا نقطۂ نظر اسلام کی تبلیغ کرنا تھا، پیسا کمانا اور کسی سے کچھ وصول کرنا قطعاً نہیں تھا'' (ص ۱۳۶)۔ ایک اور مقام پر لکھا گیا ہے: ''ہم میں سے بعض لوگ جو بڑے مدعی اسلام بنے پھرتے ہیں، فوراً کہہ دیتے ہیں کہ نہ ہم بے نماز کے گھر سے کھائیں گے اور نہ اپنے گھر کھانے پر بلائیں گے۔ اس قسم کا ذہن رکھنے والے افراد لوگوں کو اسلام سے دور کرتے ہیں۔ اسلام کی تبلیغ اور دین کی ترویج کے حکیمانہ طریقے سے یہ لوگ نا آشنا ہیں۔ قاضی صاحب کا دل نیکی اور صالحیت کے اس قسم کے غرور سے پاک تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تبلیغ سے متعدد تعلیم یافتہ غیر مسلم دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے اور اسلام کے بہت بڑے مبلغ بن گئے جن کی تبلیغ سے بے شمار بے عمل مسلمان باعمل اور تہجد گزار بن گئے'' (ص ۱۴۵۔۱۴۶)۔ مصنف نے بیسویں صدی کے نصف اول تک ہندوستان میں مختلف ادیان و ملل کے علما کے مابین مذہبی مناظروں کے مثبت نتائج و ثمرات کی نشاندہی بھی کی ہے (ص ۱۳۹۔۱۴۰)۔

مصنف نے قاضی صاحب کے جلیل القدر معاصرین کے تذکرے کے ضمن میں لفظ ''معاصر'' کی بہت عمدہ اور جامع و مانع تعریف بیان کی ہے (ص ۱۸۳۔۱۸۴)۔ یہ الگ بات ہے کہ تالیف میں بعض ایسے اصحاب کو بھی قاضی صاحب کے ''معاصرین'' کے زمرے میں شمار کیا گیا ہے جو مصنف کی بیان کردہ تعریف پر پورا نہیں اترتے۔

کتاب میں فاضل مصنف نے ایک مستقل باب ''قاضی صاحب بحیثیت شاعر'' کے عنوان سے قائم کیا ہے۔ جس میں نمونے کے طور پر قاضی صاحب کے اشعار نقل کیے گئے ہیں بغیر کسی نقد و تبصرے کے۔ نقلِ اشعار کے ضمن میں انھوں نے بڑی صاف گوئی سے کام لیا ہے اور برملا طور پر اس امر کا اظہار کیا ہے کہ ''یہ اشعار نقل در نقل ہوتے ہوئے مجھ تک پہنچے ہیں۔ میں شعر کی نزاکتوں سے آگاہ نہیں، اس لیے ان اشعار کی صحت و عدم صحت کے بارے میں میرے لیے کچھ عرض کرنا مشکل ہے۔ عین ممکن ہے کسی نقل نویس سے کہیں لغزش ہوگئی ہو اور شعر وزن کے دائرے سے باہر نکل گیا ہو یا خود مجھ سے نقل کرنے میں غلطی ہوگئی ہو، اور اس غلطی کی وجہ سے شعر کی شعریت متاثر ہوئی ہو'' (ص ۳۱)۔

مصنف نے گاہے ماہے بعض موضوعاتِ تحقیق کی طرف اہل علم کی توجہ بھی مبذول کرائی ہے۔ مثلاً ان کا یہ کہنا کہ ''ریاست پٹیالہ کے علماے دین اور ان کی خدمات ایک مستقل موضوع ہے، جس پر کسی اہل علم کو کام کرنا چاہیے'' (ص ۵۶)۔ مصنف نے قاضی محمد سلیمان منصور پوری کے اسلوب دعوت و تبلیغ اور مطالعۂ ادیان و مذاہب سے ان کے شغف و انہماک پر بحث کے ضمن میں عصر حاضر کے دعاۃ و مبلغین کے لیے موعظت کے پہلو کو بھی اجاگر کیا ہے۔ ہندومت اور سکھ مت سے واقفیت کی ضرورت کی طرف توجہ دلائی ہے۔ مصنف نے پاکستانی اہل علم کی اپنے ہمسایہ ملک ہندوستان کے مذاہب سے واقفیت سے عدم اعتنائی کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ مصنف کے الفاظ میں ''تعجب ہے ہم یہودیوں اور عیسائیوں کے بارے میں تو کچھ نہ کچھ معلومات رکھتے ہیں، مگر موجودہ دور میں

ہندوؤں اور سکھوں کے بارے میں ہماری معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں، حالانکہ وہ اسی خطہ ارض کے رہنے والے ہیں اور ہمارے ساتھ ان کے قریبی مراسم رہے ہیں اور اب وہ ہمارے قریبی ہمسائے ہیں۔ ہم ان کے متعلق ادھر ادھر کی سیاسی نوعیت کی باتیں تو کرتے ہیں، لیکن ان کے بانیانِ مذہب، ان کے اکابر، ان کی بنیادی تعلیمات، ان کے مختلف فرقوں اور ان کے طریقِ عبادت وغیرہ سے متعلق بے خبر ہیں'' (''حرفے چند''، ص۱۲۰۔۱۲۱)۔

-------------------------

مرحوم محمد اسحاق بھٹی کی اس تالیف کا معتد بہ حصہ ذاتی مشاہدات، حافظے، اور دوسروں سے سنی سنائی روایتوں پر ہے۔ فاضل مصنف کا اندازِ بیان بھی داستان سرائی وقصہ گوئی کا سا ہے۔ سنی سنائی روایتوں کے بیان میں بے محل و غیر متعلق باتیں بھی کثرت سے کتاب میں جگہ پا گئی ہیں۔ اگر اس کتاب کے جملہ مآخذ پر نظر ڈالی جائے تو صرف ایک ہاتھ کی انگلیوں پر شمار کیے جا سکتے ہیں۔ کتاب میں قاضی صاحب کی جو کرامات بیان کی گئی ہیں ان کا تذکرہ مولانا عبدالمجید خادم سوہدروی کی تالیف کراماتِ اہلحدیث (اسلامی کتب خانہ، سیالکوٹ، س۔ن) میں آچکا ہے (ص ۱۸۔۲۷)، لیکن زیرِنظر کتاب میں اس ماخذ کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ مرحوم بھٹی صاحب نے یہ کتاب اپنی زندگانی کے اس دور میں لکھی جب بعض مقتدر اہل حدیث خانوادوں کی تاریخ نگاری کے سلسلے میں ان پر کام کا دباؤ بہت بڑھ گیا تھا، چنانچہ اس کتاب کے لیے وہ نہ تو ضروری لوازمہ فراہم کر پائے اور نہ کامل یکسوئی سے اس کی ترتیب تدوین کا کام انجام دے پائے۔ چنانچہ اس کتاب کی ترتیب و تدوین میں ان کا زیادہ تر انحصار اپنے ذاتی حافظے اور دوست واحباب کی مرویات پر رہا۔ وہ مطلوبہ مواد کی فراہمی کے لیے اہم مآخذ کو کھنگال نہ سکے۔ کتاب میں حسنِ ترتیب کا فقدان بری طرح سے کھٹکتا ہے۔ واقعات نگاری اور نقل روایات میں کوئی تاریخی و منطقی ترتیب نہیں پائی جاتی۔

قاضی محمد سلیمان منصور پوری کوئی گمنام اور مجہول شخصیت ہرگز نہ تھے بلکہ ایک مقبول اور ہر دلعزیز شخصیت کے مالک تھے۔ انھوں نے برعظیم پاکستان و ہند کی دینی علمی ثروت میں گراں قدر اضافہ کیا، ان کی دینی و دعوتی وتبلیغی اور ملی سرگرمیوں کے بارے میں ہندوستان کے جرائد ومجلّات واخبارات کے صفحات میں کثیر مواد بکھرا ہوا ہے اور اس وقت ایک دفینے کی حیثیت رکھتا ہے۔ مزید براں قاضی صاحب جن علمی وملی انجمنوں کے رکن تھے، ان کی روئدادوں میں بھی، مثلاً ندوۃ العلماء کے سالانہ جلسوں کی روئدادوں میں (دیکھیے: تاریخ ندوۃ العلماء، مرتبہ: محمد اسحاق جلیس ندوی وشمس تبریز خان، ۲ جلدیں)۔ اسی طرح ریاست پٹیالہ جہاں قاضی محمد سلیمان طویل عرصے تک مختلف عہدوں پر فائز رہے، کے آرکائیو وغیرہ سے استفادے کا کوئی ثبوت فراہم نہیں ہوتا۔

زیرِتبصرہ کتاب کا اہم ترین ماخذ سیرت سلمان (قاضی عبدالباقی) ہے جس کے مندرجات افسانوی

رنگ لیے ہوئے ہیں۔ فاضل مصنف نے سیرتِ سلمان کے اکثر مشمولات کتاب میں سمو لیے ہیں، البتہ اس ضمن میں چھان پھٹک (درایت) سے کام نہیں لیا۔ کتاب میں درج بعض واقعات کا صدور عقلاً (از روے درایت) محال معلوم ہوتا ہے، مثلاً والیِ افغانستان امیر حبیب اللہ (۱۹۰۱۔۱۹۱۹ء) کی بمبئی آمد کے موقعے پر نماز جمعہ کے لیے جامع مسجد میں ضروری انتظامات کے لیے قاضی صاحب کی پٹیالہ سے طلبی وغیرہ کا قصہ (ص ۱۰۸)۔ اسی طرح ''پرنس آف ویلز کی [پٹیالہ] آمد کے موقعے پر انتظامات'' کے ذیل میں لکھا گیا ہے کہ اس کی آمد کے موقعے پر وائسرائے ہند، ریڈیڈنٹ آف سٹیٹس آف انڈیا، ملک کے تمام صوبوں کے گورنروں اور ساڑھے پانچ سو ریاستوں کے نوابوں اور مہاراجوں کے لیے ان کی حیثیت کے مطابق نیا فرنیچر تیار کرانے کے لیے مہاراجا پٹیالہ نے قاضی صاحب سے درخواست کی تو قاضی صاحب نے گجرات کے مستری محمد حیات کو مطلوبہ فرنیچر کا آرڈر جاری کیا۔ چنانچہ ''مستری محمد حیات نے چند روز میں مال تیار کر دیا'' (ص ۱۰۶)۔

قاضی صاحب کی آخری سفرِ حج پر روانگی اور ریاست پٹیالہ کے مہاراجا سے آخری گفتگو کا معاملہ بھی کچھ ایسی ہی نوعیت کا ہے (ص ۹۹۔۱۰۰)۔ قاضی صاحب کے احوال و وقائع سے متعلق دیگر افراد کے حوالے سے جو سنی سنائی روایتیں بیان کی گئی ہیں ان کا حال بھی اس سے قطعاً مختلف نہیں۔

زیرِ نظر کتاب میں احوال و وقائع کے اندراج کے ضمن میں نہ صرف یہ کہ سنین کے اندراج کا کوئی خاص اہتمام نہیں کیا گیا ہے بلکہ تاریخی ترتیب بھی مفقود نظر آتی ہے۔ سنی سنائی باتوں رغیر تحریری روایات پر انحصار کے سبب بعض واقعات اور ان کے ماہ و سنین ظن و تخمین سے درج کیے گئے ہیں مثلاً قاضی صاحب کا ریاست پٹیالہ کے محکمۂ تعلیم میں بطورِ پرنٹنڈنٹ تعلیم تقرر سے متعلق لکھا ہے ''یہ ۱۸۸۴ء یا ۱۸۸۵ء کی بات ہے'' (ص ۸۵)، جبکہ بعض دوسرے مقامات پر سنہ تقرر ۱۸۸۴ء بتایا گیا ہے (ص ۵۸، ۱۶۴)۔ بعض واقعات کے سنین صریح طور پر غلط درج کیے گئے ہیں، مثلاً پرنس آف ویلز کی ہند آمد کا سال ۱۹۲۰ء درج کیا گیا ہے (ص ۱۰۰، 105) جبکہ ان کی آمد نومبر ۱۹۲۱ء میں ہوئی۔ کتاب میں والیِ افغانستان امیر حبیب اللہ (۱۹۰۱ء۔۱۹۱۹ء) کو امیر عبدالرحمٰن (۱۸۸۰۔۱۹۰۱ء) کا باپ بتایا گیا ہے (ص ۱۰۸) جبکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ اسی طرح ۱۹۰۷ء میں والیِ افغانستان امیر حبیب اللہ کا سفر پٹیالہ اور سرہند میں حضرت مجدد الف ثانی کے مزار پر حاضری کا واقعہ بھی تصدیق طلب ہے۔ بعض مقامات پر صورت حال خاصی الجھی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ صفحہ ۱۵۳ پر غالباً والیِ افغانستان امیر عبدالرحمٰن (۱۸۸۰۔۱۹۰۱ء) کی ہند آمد کا ذکر ہے۔ ساتھ ہی ذکر کیا گیا ہے کہ ''افغانستان کے امیر ہندوستان آئے تو حکومتِ ہند کی طرف سے ان کا استقبال پشاور سے شروع ہوا۔ قاضی صاحب وہاں موجود تھے اور وہاں سے سرہند اور کلکتہ تک امیر موصوف کے ساتھ

رہے۔۔۔امیر کی فرمائش پر قاضی صاحب کو کلکتہ تک ان کے ساتھ رکھا گیا۔یہی روش ان کے فرزند امیر حبیب اللہ کی تھی۔۔۔کابل کے ان حکمرانوں امیر حبیب اللہ اور امیر عبدالرحمٰن۔۔۔۔'' (ص ۱۵۳)۔

امر واقعہ یہ ہے کہ امیر عبدالرحمٰن اپریل ۱۸۸۵ء میں وائسرائے ہند سے ملاقات کے لیے ہند آئے تھے اور راولپنڈی میں دونوں کے مابین ملاقات ہوئی تھی۔قاضی صاحب کی عمر اس وقت ساڑھے سترہ سال کے لگ بھگ تھی اور ریاست پٹیالہ کے محکمۂ تعلیم میں غالبًا ایک سال قبل ان کا بطورِ انسپکٹر تقرر ہوا تھا لہٰذا امیر عبدالرحمٰن کے استقبال پر ان کا مامور کیا جانا قرینِ قیاس معلوم نہیں ہوتا۔امیر عبدالرحمٰن کے احوال و وقائع میں سفر کلکتہ کا ذکر نہیں ملتا۔البتہ امیر حبیب اللہ نے ۱۹۰۷ء میں سفرِ ہند کے موقعے پر لاہور اور کلکتے کا سفر بھی کیا تھا۔لاہور میں انھوں نے اسلامیہ کالج ریلوے روڈ کا سنگِ بنیاد رکھا تھا جبکہ کلکتہ میں انگریزی حکام سے ملاقاتیں کی تھیں (جنوری فروری ۱۹۰۷ء)۔ایسے معلوم ہوتا ہے کہ محمد اسحاق بھٹی کو ان دو مختلف واقعات کے بارے میں التباس ہوگیا ہے۔امیر عبدالرحمٰن کی ایک سے زیادہ سوانح عمریاں دستیاب ہیں،جن میں سے میر منشی سلطان محمد خان کی مرتبہ ''دی لائف آف عبدالرحمٰن :امیر آف افغانستان''،(۲ جلدیں،لنڈن ۱۹۰۰ء) بطور خاص قابل ذکر ہے۔اسی طرح ان کے فرزند و جانشین امیر حبیب اللہ کی سوانح عمری (مرتبہ: Henry McMahon،مطبوعۂ لندن ۱۹۳۶ء) بھی دستیاب ہے جس امیر موصوف کے سفر کلکتہ کے دوران میں فری میسنری تحریک سے ان کے ربط کا ذکر بھی ملتا ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ مرحوم بھٹی صاحب نے کتاب میں درج شخصیات و واقعات سے متعلق دستیاب مآخذ سے بھی استفادہ نہیں کیا ہے۔مقام حیرت ہے کہ مصنف نے انگریزی ادب اور علوم و افکار سے قاضی صاحب کی واقفیت کے بیان کے ضمن میں '' انگریزی ادبا و مصنفین کے حالات کا مطالعہ'' (ص ۱۲۱۔۱۲۲) کے ذیلی عنوان کے تحت شیکسپیئر اور کارلائل کو ماہرینِ اقتصادیات میں شمار کیا ہے (ص ۱۲۱) حالانکہ دونوں (بالخصوص اول الذکر) انگریزی ادب کے اساطین میں شمار ہوتے ہیں۔

احوال و وقائع کے اندراج میں بے جا تکرار بھی محسوس کی جاسکتی ہے،مثلاً قاضی محمد سلیمان منصور پوری جیسی نادر الوجود شخصیات کے ظہور سے متعلق مصنف کا بیان (دیکھیے،ص ۱۱۶، و ۱۲۱)؛ نیز ''عدالتی سلسلے کے چند واقعات'' (ص ۹۱۔۹۸) کے عنوانات کے تحت بحوالۂ سیرت سلمان قتل اور ڈکیتی کے ملزموں کے بارے میں قاضی صاحب کے طرز عمل سے متعلق ایک بات صفحہ ۹۲ پر درج کی گئی ہے تو بعینہ وہی بات صفحہ ۹۷ پر درج کی گئی ہے۔

---

قاضی حسن معزالدین نے اپنے مضامین میں ریاست پٹیالہ کے حوالے سے (خصوصا اس ریاست میں اعلی عہدوں پر مسلمانوں کے تقرر، حکمرانوں کے مسلمان رعایا سے روادارانہ سلوک اور وہاں کے تعلیمی اداروں سے متعلق)

معلومات فراہم کی ہیں (باب ۴،ص ۷؛۵ تا ۶۴)۔ادیان و مذاہب کے مطالعہ سے قاضی محمد سلیمان کے اشتغال انہماک اور مناظرہ کے باب میں ان کے اسلوب ومنہج پر کلام کیا ہے (باب ۲۱،ص ۲۸۳۔۲۹۶)۔اشاعتِ اسلام کے میدان میں قاضی صاحب کے اسلوب کے مثبت نتائج کی نشاندہی کی ہے۔دور حاضر کے بین المذاہب روابط کے پس منظر میں حسن معز الدین نے قاضی صاحب کو مکالمۂ بین المذاہب کا امام اور اس میدان کا سالار و شہسوار قرار دیا ہے اور عصر حاضر میں ان کے اسلوب و منہج کی معنویت کی طرف اشارہ کیا ہے۔حسن معز الدین رقم طراز ہیں:

> قاضی صاحب مرحوم کی روش پر عمل پیرا ہونے کے لیے ہمیں ہندو، سکھ، بدھ، یہودی، عیسائی سبھی مذاہب کے پیروکاروں سے مکالمہ روا رکھنا چاہیے اور اپنے دین کی صداقت خود انہی کی کتابوں سے ثابت کرنی چاہیے اور انہی کی کتابوں سے انھیں محل اعتراض قرار دینا چاہیے (ص ۲۹۰)۔۔۔ان کا طریقہ لائقِ تقلید ہے (ص ۲۹۱)۔۔۔قاضی صاحب نہایت تحقیق سے لکھتے تھے۔ وہ کسی کی دل آزاری نہیں کرتے تھے۔۔۔انھوں نے جو کچھ تحریر فرمایا اور جس موضوع پر تقریر کی، اس کے تمام گوشوں کی دلائل و براہین سے صراحت فرمائی۔ ان کا مطمح نظر مخاطب کی تضحیک کرنا اور اسے نشانۂ اہانت بنانا نہیں تھا بلکہ خوبصورت پیرایۂ اظہار میں اس کے ذہن وفکر کو صحیح بات سے آگاہ کرنا ہوتا تھا، جس کا ہمیشہ مثبت نتیجہ نکلا اور اپنے نیک مقصد میں اللہ تعالٰی نے انھیں کامیابی سے نوازا۔ موجودہ دور کے مبلغینِ اسلام کو بھی اس اصول کو اپنانے کی ضرورت ہے۔ سخت اور ترش اسلوب کو ترک کر کے بہتر انداز سے گفتگو کرنا چاہیے تا کہ مخاطب متأثر بھی ہو اور مطمئن بھی۔(ص ۲۹۵)۔

قاضی حسن معز الدین نے آخری باب میں قاضی محمد سلیمان کے اسلاف اور اولاد و احفاد کا تذکرہ پیش کیا ہے۔خصوصاً اپنے والد قاضی عبدالعزیز (۱۸۸۳۔۱۹۵۶ء)، برادران قاضی عبدالباقی، قاضی عبدالکبیر اور اپنی ذاتی علمی دلچسپیوں کے بارے میں معلومات فراہم کی ہیں۔قاضی عبدالعزیز نے قاضی محمد سلیمان منصور پوری کی رحمة للعالمین کو انگریزی کا جامہ پہنایا۔قاضی عبدالباقی نے اس پر نظر ثانی کی جو Mecry unto the Worlds کے عنوان سے فیروز سنز، لاہور سے ۳ جلدوں میں شائع ہوا (۲۰۰۵ء)۔قاضی عبدالکبیر نے علامہ اقبال کی ارمغان حجاز (فارسی) کا انگریزی میں منظوم ترجمہ کیا جسے اقبال اکیڈمی نے شائع کیا (۱۹۸۳ء)۔مزید براں انھوں نے اقبال کے فکر وفن پر متعدد مقالات تصنیف کیے اور، بال جبریل کی بعض نظموں کا انگریزی میں ترجمہ کیا جو مجلّہ اقبال ریویو میں شائع ہوئے (جلد۱۴:۴، ۱۹۶۶ء،ص۱۲۴۔۲۵؛ جلد ۱۶:۳، ۱۹۷۵ء،ص ۱۶۳۔۶۷؛ جلد ۱۸: ۴، ۱۹۷۸ء ص ۲۱۵۔۲۱۹)۔مزید براں اصطلاحات تصوف پر ایک کتاب تصنیف کی (تاحال غیر مطبوعہ)۔قاضی حسن

معزالدین کو فلسفہ اور مطالعہ ادیان، نیز مکالمہ بین المذاہب سے خاص شغف تھا۔ وہ وطن عزیز میں مسیحی۔مسلم ڈائیلاگ میں پیش پیش رہے تھے۔مکالمہ بین المذاہب اور اس راہ کی نزاکتوں کے عملی تجربہ کے تحت انھوں نے اس سلسلے میں بڑی پتے کی بات کہی ہے:

> ''مستشرقین جس نہج سے اسلام کا مطالعہ کرتے اور اٹالین، جرمن، فرنچ اور انگلش زبانوں میں اسلام کو پیش کرتے ہیں، ان سے آگاہی رکھنے کا شغف معدودے چند مسلمانوں کو ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک طرف تحقیق کے دلائل کی یلغار ہے اور دوسری طرف بے بسی اور بے بضاعتی کا اظہار'' (ص۴۶۲)۔

---

کتاب میں کہیں کہیں کتابت کی اغلاط بھی پائی جاتی ہیں: جھنین (ص ۱۲) بجائے جنھیں؛ جھنوں (ص۳۸۱، سطر۱) بجائے جنھوں؛ اہل حدیت (ص ۴۲۸، سطر۱۴) بجائے اہل حدیث۔بعض الفاظ کے املا میں دورنگی پائی جاتی ہے، مثلاً بلاشبہہ (۱۳۶، ص۳۴۶، ۳۷۳، ۴۵۰)۔ بلاشبہ (ص۳۷۱)۔

زیرِنظر کتاب کے بالاستیعاب مطالعے اور اس کے مندرجات کے جائزے کی روشنی میں بلاتردد یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری کی سوانح حیات کے بارے میں محققین ومصنفین پر جو ''قرض'' اور ''فرض'' تھا اس کی جزوی طور پر ادائیگی کا سامان تو ہوا البتہ بتام وکمال ادانہیں ہوسکا۔بایں ہمہ مرحوم محمد اسحاق بھٹی کی اس کاوش کو اس جانب ایک اہم قدم سنگ میل ضرور قرار دیا جاسکتا ہے۔اس کتاب میں قاضی محمد سلیمان منصور پوری کی حیات و سوانح کے کئی پہلو تشنہ رہ گئے ہیں، بطورِ مثال مطالعہ وتقابلِ ادیان کے میدان قاضی محمد سلیمان کے اسلوب ومنہج کا بیان ناکافی و ناتمام ہے۔سب سے اہم یہ کہ ان کی سوانح اور احوال و وقائع کے بارے میں مطبوعہ مواد کی فراہمی کے بارے میں سعی وکاوش نہیں کی گئی۔قاضی محمد سلیمان منصور پوری کی سیرت وسوانح، اور علمی کمالات کے بارے میں ہندوستان و پاکستان میں منظرعام پر آنے والے معاصر مطالعات کے بارے میں بھی کوئی معلومات بہم نہیں پہنچتیں۔

امید ہے کہ کوئی جواں ہمت اور صاحب عزم وحوصلہ محقق قاضی محمد سلیمان منصور پوری کی حیات وسوانح کے بارے میں برعظیم پاکستان و ہند کے اخبارات وجرائد، نیز مختلف علمی وملی انجمنوں کی روئدادوں کے صفحات میں بکھرے ہوئے مواد کو کھنگالنے، مزید براں قدیم ریاست پٹیالہ کے آرکائیوز میں موجود مواد سے استفادہ کرکے ایک محققانہ سوانح حیات کی تالیف کا فرض ضرور ادا کرے گا۔

---